بسم الله الرحمن الرحيم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين، أَمَّا بَعْدُ:

22-شرح العقيدة الواسطية

العقیدۃ الواسطیۃ الشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔

ہم شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اس جملے پر پہنچے تھے "وقد دخل في هذه الجملة ما وصف الله به نفسه في سورة الإخلاص التي تعدل ثلث القرآن، حيث يقول: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝١ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝٤﴾ (الاخلاص: 1-4)"۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ اس عقیدے کے مقدمے میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تعلق سے چند قواعد اور اصول بیان کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ جو باتیں ہم بیان کر چکے ہیں اسماء وصفات کے تعلق سے اس کے جملے میں یہ چیز داخل ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے وصف بیان فرمایا ہے جیسا کہ سورۃ الاخلاص میں جو قرآن مجید کے ایک تہائی کے برابر ہے، اور پھر سورۃ الاخلاص بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝١ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝٤﴾۔

فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، شیخ الاسلام (رحمہ اللہ) کا یہ قول کہ "دخل في هذه الجملة" اس جملے میں یہ چیز داخل ہے اس کا یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد ہر وہ صفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، یا وہ نام بھی اس میں شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان فرمایا ہے نفی اور اثبات میں (دونوں میں)، اور اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا ارادہ یہ ہے جو کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اللہ

تعالیٰ کے اسماء وصفات کے باب میں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر وہ نام اور صفت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اللہ تعالیٰ کے لیے بیان فرمائی ہے وہی اس سے مراد ہے۔ الغرض ان دونوں میں سے کوئی بھی ہو تو اس سورۃ (یعنی سورۃ الاخلاص میں) اور جو کچھ اس کے بعد میں بیان شیخ الاسلام نے کیا ہے وہ سب اس میں داخل ہے۔ یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسماء وصفات کے باب میں اپنے لیے بیان فرمایا ہے نفی اور اثبات کے بیچ میں وہ سب اس میں شامل ہے اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت جو ہے ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

پھر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے ان الفاظوں کا معنی بیان کیا ہے کہ سورۃ کا کیا معنی ہے، اخلاص کا کیا معنی ہے، پھر ثلث القرآن سے کیا مراد ہے، پھر سورۃ الاخلاص قرآن مجید کی ایک تہائی کے برابر ہے پھر سورۃ الاخلاص کی مختصر تفسیر بیان کی ہے:

1-''سورۃ'': جو ہے اس لفظ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے آیات ہیں ''مسورة، أي منفصلة عما قبلها وعما بعدها، كالبناء الذي أحاط به السور'' جیسا کہ کوئی بلڈنگ ہے جس کا احاطہ دیواروں سے کیا جاتا ہے (یعنی دوسری چیزوں سے الگ کر دیا جاتا ہے دوسری عمارتوں سے الگ کیا جاتا ہے) تو عمارت جس کا احاطہ ہوتا ہے اس احاطے کو سور کہتے ہیں سور بھی اسی لفظ سے لیا گیا ہے۔ اور سورۃ جو ہے یہ وہ آیتیں ہیں جو الگ الگ کر دی گئی ہیں، یعنی سورۃ اخلاص الگ ہے، سورۃ الفلق الگ ہے، سورۃ الناس الگ ہے، اسی طریقے سے جو اور سورتیں ہیں قرآن مجید کی جو الگ الگ کی گئی ہیں۔ تو سورۃ سے مراد وہ چیز ہے یہ وہ آیتیں ہیں جو اس سے پہلے اور بعد والوں سے الگ کر دی جاتی ہیں اور ان کو ایک ساتھ جمع کر دیا جاتا ہے۔

2-اخلاص سے مراد کسی چیز کو الگ کر دینا اور پاک کر دینا، یعنی جب آپ کسی چیز کو کسی چیز سے صاف کر دیتے ہیں اور اس میں سے صفائی کر کے جو باقی چیز بچتی ہے وہ خالص بچتی ہے اور یہ لفظ یہاں سے لیا گیا ہے۔

اور سورۃ الاخلاص کا نام اس لیے اخلاص رکھا گیا ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کیونکہ اس میں صرف اللہ تعالیٰ کے اخلاص کا ذکر ہے اور جو بھی اس پر ایمان رکھتا ہے وہ مخلص ہے تو مخلص ہے قاری کے لیے جو پڑھتا ہے (یعنی جو شخص

اس سورۃ کو پڑھتا ہے اور اس پر ایمان بھی رکھتا ہے جو وہ کہہ رہا ہے اس پر اس کو مکمل ایمان ہے) تو اس نے اخلاص سے کام لیا ہے وہ شخص مخلص ہے اللہ تعالیٰ کے لیے۔

اور ''مخلصة - بفتح اللام'' بھی کہا گیا ہے کہ اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص بیان فرمایا ہے جس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ذکر ہے اس میں کوئی احکام یا کوئی اخبار نہیں ہے (کوئی اور حکم نہیں ہے کسی اور چیز کی کوئی خبر نہیں ہے لیکن صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے اللہ تعالیٰ ہی کا اس میں ذکر ہے)۔

اور اگر دونوں کو دیکھا جائے دونوں معنی صحیح ہیں یعنی پڑھنے والا جو ہے اگر اس پر ایمان رکھتا ہے تو وہ مخلص ہے اخلاص اس اعتبار سے پڑھنے والے کے اعتبار سے اور اگر اخلاص اللہ تعالیٰ کے حق میں دیکھا جائے تو اس سورۃ میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ذکر ہے اس میں کوئی اور حکم یا کوئی اور خبر نہیں ہے تو اس لیے اسے اخلاص بھی کہا گیا ہے اور دونوں معنی میں کوئی منافات نہیں ہیں۔

3- تیسری بات کہ قرآن مجید کی سورۃ الاخلاص جو ہے وہ قرآن مجید کے ایک تہائی کے برابر ہے اور اس کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں ''أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ ثُلُثَ القرآنِ فِي لَيْلَةٍ؟'' (کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص عاجز ہو سکتا ہے کہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لے؟) ''فَشَقَّ ذلك عليهم'' (ذرا یہ بات قابل مشقت ہے بعض صحابہ کے لیے) ''وقالوا: أَيُّنا يُطِيقُ ذلكَ يا رَسولَ اللَّهِ؟!'' (ہم میں سے کون اتنی طاقت رکھتا ہے اے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟!) ''فقالَ: اللَّهُ الواحِدُ الصَّمَدُ، ثُلُثُ القُرْآنِ'' (یعنی سورۃ الاخلاص جو ہے "اللَّهُ الواحِدُ الصَّمَدُ" سے مراد سورۃ الاخلاص ہے یہ قرآن مجید کے ایک تہائی کے برابر ہے)۔

((اور یہ روایت جو ہے یہ متفق علیہ روایت ہے صحیح بخاری، مسلم میں ہے))۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) کہ یہ سورۃ جو ہے یہ قرآن مجید کے ایک تہائی کے برابر ہے اور جب ہم کہتے ہیں ایک تہائی کے برابر یعنی یہ جزاء اور ثواب میں ہے اِجزاء میں نہیں ہے۔

اگر کوئی چیز واجب ہے تو واجب کی جگہ یہ نہیں لے سکتا یہ فرق جو ہے لفظ جزاء اور اِجزاء میں علماء یہ کہتے ہیں جزاء سے مراد اُجر و ثواب ہے تو اُجر و ثواب کے معاملے میں یہ بات ہے لیکن اِجزاء جہاں تک بات ہے اِجزاء کے لیے یعنی اگر کوئی واجب کسی شخص پر ہے تو واجب جو ہے وہ مکمل نہیں ہوتا اس ثواب کی وجہ سے (یہ ثواب کی حد تک تو ٹھیک ہے اس سے واجب مکمل نہیں ہوتا)۔

اس کی مثال جو ہے جیسا کہ شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مَنْ قَالَ: لا إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ المُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، عَشْرَ مَرَّاتٍ ، فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَ أَرْبَعَ أَنْفُسٍ مِنْ بَنِي إِسْمَاعِيلَ" ((یہ متفق علیہ حدیث ہے) کہ جس نے بھی یہ ذکر اللہ تعالیٰ کا پڑھا ہے "لا إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ المُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" دس مرتبہ گویا کہ اس نے بنی اسماعیل میں سے چار گردنیں آزاد کی ہیں)، تو کیا اس سے مراد شیخ صاحب فرماتے ہیں اگر کوئی شخص یہ ذکر دس مرتبہ پڑھ لیتا ہے اور اس پر کوئی گردن آزاد کرنا واجب ہو جائے تو کیا دس مرتبہ پڑھنے سے چار گردنیں آزاد ہو جائیں گی اس کی "إعتاق أربع" کسی کے اوپر کفارہ ہے؟

اب مثال کے طور پر رمضان کے مہینے میں جماع ہو گیا ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ "إعتاق أربع" گردن آزاد کریں۔ اگر کوئی شخص یہ ذکر پڑھ لے دس مرتبہ تو کیا اس کی گردن آزاد ہو جائے گی؟ وہ کہے گا چلو ایک ہو گی تین باقی ہیں اب صحیح ہے؟ تو حدیث میں تو آیا ہے چار گردنیں آزاد آپ ایک کی بات کرتے ہیں میں نے چار کر دی ہیں کیا یہ دعویٰ صحیح ہے اس کا؟ غلط ہے۔ کیوں غلط ہے؟ حدیث میں اُجر و ثواب کا ذکر ہے وہ واجب جو ہے وہ باقی ہے اس کے لیے الگ سے ایک گردن آزاد کرنی پڑے گی اس کی جگہ نہیں ہے یہ۔ ہاں طاقت نہیں ہے تو پھر دوسری باتیں آتی ہیں کہ دو مہینے کے روزے ہیں، یا پھر جو ہے اِطعام ستین مسکین جو ہے وہ بعد کی بات ہے لیکن یہ کبھی نہیں ہے گردن آزاد کرنے کے عوض جو ہے یا بدلہ جو ہے وہ اس ذکر سے ممکن ہے۔

اور اسی طریقے سے سورۃ الفاتحہ ہر نماز کے لیے رکن ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی کوئی شخص اگر سورۃ الاخلاص تین مرتبہ پڑھ لے (ایک تہائی قرآن کی مراد اگر تین مرتبہ پڑھ لے تو ختم ہو گیا قرآن مجید) تو کیا تین مرتبہ سورۃ الاخلاص

پڑھنے سے نماز ہو گئی ؟ کیا خیال ہے ہو گی نماز ؟ نہیں ہو گی۔ کیوں نہیں ہو گی حدیث میں تو آیا ہے کہ سورۃ الاخلاص قرآن مجید کے ایک تہائی کے برابر ہے تین مرتبہ پڑھ لیا کسی نے ختم ہو گیا قرآن کا اور ختم میں سورۃ الفاتحہ شامل ہے کہ نہیں ؟ تو پھر اس کی نماز کیوں نہیں ؟ کیونکہ حدیث میں جزاء اُجر وثواب مراد ہے اِجزاء نہیں ہے جب تک سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھیں گے آپ کی نماز نہیں ہے (تین مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھنے سے آپ کی نماز نہیں ہو گی جب تک آپ سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھیں گے)۔ فرق واضح ہے جزاء اور اِجزاء کا ؟

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) علماء یہ کہتے ہیں کہ ایک تہائی قرآن مجید سے کیا مراد ہے ؟ یہ کس اعتبار سے قرآن مجید کے ایک تہائی کے برابر ہے سورۃ الاخلاص ؟

فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے جو پیغامات ہیں مباحث ہیں یا تو اللہ تعالیٰ کے تعلق سے ایک خبر ہے یا مخلوقات کے تعلق سے ہے یا احکام ہیں، یہ تین چیزیں ہیں، اور پھر مثالیں دیتے ہیں :

1- جو اللہ تعالیٰ کے تعلق سے خبر ہے جیسا کہ سورۃ الاخلاص ہے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اس میں صرف اللہ تعالیٰ کے تعلق سے خبر ہے کچھ اور نہیں ہے (باقی سورتوں میں آپ کو یہ تینوں چیزیں ملیں گی لیکن سورۃ الاخلاص میں خصوصی طور پر صرف اللہ تعالیٰ کے تعلق سے خبر ہے)۔

2- دوسری مخلوقات کے تعلق سے جو خبر ہے جیسا کہ سابقہ اُمم کی جو خبریں ہیں اور قصے ہیں، اور جو حوادث حاضرہ ہیں، یا مستقبل میں جو چیزیں ہونی ہیں (جنت اور دوزخ کا ذکر ہے، آخرت کا ذکر ہے یہ سب تمام چیزیں جو ہیں یہ بھی اخبار ہیں مخلوقات کے تعلق سے)۔

3- اور تیسرا احکام جو ہیں جیسا کہ ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ (البقرۃ:43)، ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾ (النساء:36)، وغیرہ یہ چیزیں احکام ہیں جن میں اُمر ہے نہی ہے اور باقی احکام جو ہیں۔

تو ایک تہائی کس اعتبار سے قرآن مجید کے ؟ کہ اس میں صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور جو خبر ہے اللہ تعالیٰ کی اس لیے ایک تہائی کے برابر ہے۔

پھر سورۃ الاخلاص کے تعلق سے چند اہم باتیں شیخ صاحب نے بیان کی ہیں :

﴿قُلْ﴾ جو خطاب ہے یہاں پر (آپ کہہ دیں) ہر اس شخص کے لیے ہے جس کے لیے خطاب صحیح ہے (یعنی ہے تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اور ہر اس شخص کے لیے جس کے لیے خطاب صحیح ہے) ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾۔

اور اس سورۃ کا جو سبب نزول ہے یہ سورۃ نازل ہوئی ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عرض کی ہے کہ "صف لنا ربك؟" (آپ بتائیں اے محمد! کہ تمہارا ربّ کیسا ہے؟)۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو نازل کیا ہے اور اسے احمد نے روایت کیا ہے، امام احمد بن حنبل نے مسند میں اسے روایت کیا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہودیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ فلان فلان چیز سے پیدا کیا گیا ہے (نعوذ باللہ) تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو نازل کیا اُن کے اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں، چاہے سبب جو ہے وہ صحیح ہے یا غلط ہے (یعنی جو یہ اسباب بیان کیے گئے ہیں) تو اگر ہم سے کوئی شخص یہ سوال کرے اللہ تعالیٰ کے تعلق سے کہ اللہ تعالیٰ کون ہے اللہ تعالیٰ کیسا ہے تو کیا جواب ہونا چاہیے؟ ﴿اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾۔

یعنی (سبحان اللہ) اتنا پیارا وصف ہے اللہ تعالیٰ کا مختصر ترین ہے اگر بچے کو بھی دیکھیں سورۃ الاخلاص وہ سورۃ ہے جو ہر خاص و عام جانتا ہے بلکہ اکثر لوگ اپنی نماز میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الاخلاص ہی پڑھتے ہیں۔ اکثر لوگوں سے آپ پوچھ لیں چاہے حافظ قرآن ہی کیوں نہ ہو تو اکثر اُن کی نماز میں سورۃ الاخلاص ہی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے کہ کئی لوگ جلدی کرتے ہیں نماز پڑھنے میں تو اگر نماز جلدی ختم کرنی ہے تو سب سے آسان سورۃ کون سی ہے؟ سورۃ الاخلاص ہی ہے (سبحان اللہ)۔ کاش کہ ہم اس سورۃ کے صحیح معنی کو سمجھ لیتے اور اس پر عمل کرنے والے بھی ہوتے!

آیئے دیکھتے ہیں اس سورۃ میں جو الفاظ ہیں ان سے کیا مراد ہے تاکہ جب ہم پڑھیں اس سورۃ کو تو یہ الفاظ اور یہ معنی جو ہیں عظیم معنی ہمارے دل میں ہوں۔

﴿قُلْ﴾ اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جس کے لیے خطاب صحیح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت تمام اس میں شامل ہے ﴿قُلْ﴾۔

اگر کوئی شخص مجھ سے یا آپ سے پوچھے اللہ تعالیٰ کون ہے کیسا ہے ہم کہیں گے کہ نہیں یہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾؟ ہم بھی کہیں گے۔

﴿هُوَ﴾ یہ ضمیر الشأن ہے (ضمیر الشأن اسے کہتے ہیں) کہ جس کے تعلق سے سوال کیا گیا ہے۔ ﴿هُوَ﴾ اللہ تعالیٰ کون ہے ؟ اسے ضمیر الشأن کہتے ہیں ﴿هُوَ﴾۔

﴿اللّٰهُ﴾ مبتدأ ہے (دوسرا مبتدأ ﴿اللّٰهُ﴾)، اگر ہم اس کا اِعراب کریں تو ﴿هُوَ﴾ مبتدأ ہے، ﴿اللّٰهُ﴾ دوسرا مبتدأ ہے۔ تو ﴿اَحَدٌ﴾ جو ہے یہ خبر ہے دوسرے مبتدأ کی یعنی ﴿اللّٰهُ﴾ کی سبحانہ وتعالیٰ اور جو پہلا وجہ ہے ﴿هُوَ﴾ جو مبتدأ ہے ﴿اللّٰهُ﴾ خبر مبتدأ ہے اور ﴿اَحَدٌ﴾ جو خبر ثانی ہے۔

یعنی اِعراب اگر دیکھیں ہم ﴿هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ تین لفظ ہیں اس کے دو اِعراب ہیں، پہلا اِعراب جو ﴿هُوَ﴾ ہے یہ مبتدأ ہے، ﴿اللّٰهُ﴾ اس کی خبر ہے، اور ﴿اَحَدٌ﴾ یہ اللہ کی خبر ہے ((﴿هُوَ﴾ جو مبتدأ ہے، ﴿اللّٰهُ﴾ جو ہے یہ دوسرا مبتدأ ہے، اور ﴿اَحَدٌ﴾ جو ہے یہ ﴿اللّٰهُ﴾ مبتدأ جو دوسرا ہے اس کی خبر ہے))۔

جو دوسرا اِعراب ہے وہ ﴿هُوَ﴾ مبتدأ ہے، اور ﴿اللّٰهُ﴾ جو ہے دوسرا مبتدأ ہے، اور ﴿اَحَدٌ﴾ جو ہے ﴿اللّٰهُ﴾ مبتدأ جو اس کی خبر ہے، اور جو جملہ ہے جملہ اسمیۃ جو ہے ﴿هُوَ﴾ مبتدأ جو ہے اس کی خبر ہے۔

((یہ اس کے دو اِعراب ہیں))۔

الغرض، ﴿هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (اللہ ایک ہے)، جو لفظ ہے ﴿اللّٰهُ﴾ کا (سبحانہ وتعالیٰ) "العَلَم على ذات الله" یعنی اللہ تعالیٰ کا نام ہے اللہ تعالیٰ کی جو ذات ہے یہ عَلَم ہے یہ دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف (یعنی وہ ذات جس کا نام اللہ ہے)۔

تو اس نام سے اللہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے اور کوئی بھی اس نام سے اپنے آپ کو موسوم نہیں کر سکتا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔

اور ﴿اللّٰهُ﴾ کا معنی جو ہے یہ لفظ اللہ کہاں سے لیا گیا ہے ؟الالہ سے، اور اِلہ کا معنی مألوہ ہے یعنی جو معبود ہے جس کی عبادت کی گئی ہے، اور اِلہ کا جو ہمزہ ہے کثرت استعمال کی وجہ سے اسے نکال دیا گیا ہے۔

((جب آپ ہمزہ کو نکال دیتے ہیں الالہ دیکھیں نا الالہ لکھیں ذرا اور الالہ میں سے جو درمیان والا ہمزہ ہے لام کے بعد اسے نکالیں تو کیا لفظ بچتا ہے ؟اللہ))۔

اللہ کا لفظ کہاں سے آیا؟الالہ سے، الالہ کا معنی ہے المعبود، اور معبود بحق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سچا معبود ہے کوئی اور نہیں ہے کیونکہ "الإله، الإله، الإله" کثرت سے جب استعمال ہوتا ہے تو عربی زبان میں ایک قاعدہ ہے شیخ صاحب نے دو مثالیں بھی دی ہیں جیسا کہ الناس کی اصل ہے اُلاناس، کثرت سے اُلاناس، اُلاناس، اُلاناس کہتے کہتے ہمزہ نکال دیا جاتا ہے۔

عربی زبان میں ایک یہ خوبی ہے کہ جو الفاظ ہوتے ہیں کثرت استعمال سے جو ہمزہ ہوتی ہے جو زبان پر ذرا مشکل پیش آتی ہے اسے اختصار سے نکال دیتے ہیں تو اُلاناس سے کیا بنا ہے ؟الناس۔ الناس کا لفظ اصل نہیں ہے الناس نہیں ہے اصل لفظ اُلاناس ہے اُلاناس سے جب آپ نکال دیں ہمزہ کو تو الناس بچا ہے۔

اسی طریقے سے أخیر کا لفظ جو ہے "هذا خير من هذا" اصل ہے "هذا أخير من هذا"۔ جب أخیر زیادہ استعمال ہونے لگا تو "هذاأخير من هذا، هذاأخير من هذا" کثرت سے تو پھر قاعدہ کیا ہے؟ ہمزہ کو نکال دیں تو "هذاخير من هذا" آسان ہے یا "هذا أخير من هذا" آسان ہے کیا خیال ہے؟ "خير" آسان ہے۔

اور اسی لیے اس فراوانی سے عربی میں یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔

تو اللہ کا لفظ جو ہے الالہ سے آیا ہے الالہ جو ہے اس میں سے کیونکہ ہمزہ قاعدے کی حد تک جب کوئی لفظ کثرت سے استعمال ہو اور کوئی ایسا حرف بیچ میں ہو جس کو پڑھنے میں کوئی دشواری ہو کثرت سے جب کوئی لفظ استعمال ہوتا ہے (جیسا کہ ہمزہ خصوصی طور پر) تو اسے نکال دیا جاتا ہے اور الالہ سے لفظ بنا ہے اللہ۔

﴿أَحَدٌ﴾ کا لفظ جو ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں "لا تأتي إلا في النفي غالباً أو في الإثبات في أيام الأسبوع"، یعنی عربی زبان میں جب ہم بات کرتے ہیں أحد لفظ کی صرف أحد ہے ایسے نہیں کہا جاتا۔ نفی میں تو لا أحد استعمال ہوتا ہے "لا أحد في

الدار" وغیرہ لیکن اثبات جیسا کہ ہفتے کے دن "يوم الأحد" یا أحد ہم کہتے ہیں اس اعتبار سے آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "الأحد، الإثنين" اس طریقے سے۔

اور اثبات میں اللہ تعالیٰ کے لیے وصف کے لیے استعمال ہوتا ہے اور أحد جو ہے وہ ذات ہے جو ایک ہے یکتا ہے اپنی ذات میں اسماء میں صفات اور افعال میں (ان چار چیزوں میں جو ایک ہے اور اس جیسا کوئی بھی نہیں ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، اسماء کے اعتبار سے صفات کے اعتبار سے اور افعال میں (یہ چار چیزیں ہیں))۔

اور اس سے مراد یہ ہے کہ أحد جو ہے یعنی "لا ثاني له ولا نظير له ولا ند له" اُس جیسا کوئی دوسرا نہیں، اُس جیسا کوئی بھی نہیں اسے کہتے ہیں أحد، اور واحد جو ہے وہ بھی ایک ہے۔

أحد اور واحد میں یہ فرق علماء بتاتے ہیں کہ أحد ہر اعتبار سے ہے (نمبر کے اعتبار بھی اور ذات کے اعتبار سے، اسماء وصفات کے اعتبار سے، افعال کے اعتبار سے، ہر اعتبار سے)۔ اور واحد میں یہ معنی نہیں جو أحد میں ہیں، واحد جو ہے وہ نمبر کے اعتبار سے ہے وہ جس کا دوسرا نہیں۔ أحد میں واحد بھی شامل ہے اور پھر اس میں ذات، اسماء، صفات اور افعال سب شامل ہیں، اللہ تعالیٰ واحد بھی ہے اللہ تعالیٰ أحد بھی ہے دونوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔

﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) یہ جملہ مستانفة ہے جب أحدیة کا ذکر کیا ہے تو أحدیة کے بعد اب صمدیة کا ذکر فرمایا ہے اور دونوں معرفة ہیں (اللہ معرفة ہے اور الصمد معرفة ہے) حصر کے لیے یعنی اللہ ہی واحد الصمد ہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی صمد ہو ہی نہیں سکتا)۔

((تو حصر میں یہ صیغہ بھی ہوتا ہے جب دونوں معرفة ہوتے ہیں ایک ساتھ بیان کیے جاتے ہیں))۔

تو الصمد کا معنی کیا ہے؟ کئی معنی ہیں:

1- یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿الصَّمَدُ﴾ کا معنی جو ہے "هو الكامل، في علمه في قدرته، في حكمته، في عزته، في سؤدده، في كل صفاته" (وہ ذات جو کامل ہے علم میں، قدرت میں، حکمت میں عزت میں اور اپنی تمام صفات میں)۔

2- اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿الصَّمَدُ﴾ وہ ہے جس کا کوئی جوف نہیں یعنی اندر کوئی خلا نہیں ہے جیسے کہ مخلوق ہے مخلوق کا پیٹ ہے اور پیٹ میں آنتیں وغیرہ ہیں تو اسے جوف کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے صمد ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے

کہ جو فرشتے ہیں وہ اس معنی میں صُمد کہا جاتا ہے فرشتوں کو یعنی اُن کے کوئی اُجواف نہیں ہیں (اُن کا کوئی پیٹ نہیں ہے) وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔

3-اور یہ معنی بھی کہا گیا ہے جیسے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ وہ ذات ہے جو تمام مخلوقات سے بے پرواہ ہے۔

اور ﴿الصَّمَدُ﴾ بمعنی مفعول بھی ہے یعنی "المصمود إليه"، یعنی تمام مخلوقات جو ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی حاجت مند ہیں اپنی تمام حاجات اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرتے ہیں۔

4-اور یہ بھی کہا گیا ہے السیّد معنی الصمد، (یہ بھی کہا گیا ہے بعض علماء یہ بھی بیان کرتے ہیں شیخ صاحب نے یہاں بیان نہیں کیا ہے لیکن بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں)۔

اور یہ تمام معنی جو ہیں سارے کے سارے صحیح ہیں اور اگر کوئی جامع تفسیر بیان کرنا چاہے الصمد کی بڑا آسان ہے "﴿الصَّمَدُ﴾: هو الكامل في صفاته الذي افتقرت إليه جميع مخلوقاته" (یہ وہ ذات ہے جو اپنی صفات میں کامل ہے اور تمام مخلوقات اس کی حاجت مند ہیں محتاج ہیں (تمام مخلوقات اُس کی محتاج ہیں)) "فهي صامدة إليه" (یعنی تمام مخلوقات محتاج ہیں)۔

اور اس سے عظیم معنی واضح ہو جاتا ہے الصمد کا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات تمام کائنات سے بے پرواہ ہے صفات کاملہ سے متصف ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو مخلوقات ہیں ساری اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے کیا عرش سے مستوی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) یعنی اللہ تعالیٰ عرش کا محتاج ہے؟ یعنی اگر عرش ہٹا دیا جائے تو اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) گر جائے گا یعنی؟!

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر گز نہیں! یہ بات نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صمد ہے اللہ تعالیٰ کامل ہے اپنی صفات میں اور عرش کا محتاج ہے ہی نہیں بلکہ عرش اور آسمان کرسی اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے بے پرواہ ہے۔

تو یہ معنی ہم نے کہاں سے لیا؟اس سوال کا جواب کہاں سے دیا ہم نے ؟الصمد کے لفظ سے (ایک لفظ سے)،یعنی جب صمد ہے اللہ تعالیٰ تو وہ بے پرواہ ہے اور تمام مخلوقات اس کی محتاج ہیں۔ عرش بھی مخلوق ہے کہ نہیں؟اب اللہ تعالیٰ عرش کا محتاج ہے یا عرش اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے ؟عرش اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔تو اس کی دلیل کیا ہے ؟﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ یہ دلیل ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کھاتا اور پیتا ہے جواب کیا ہے ؟نہیں ہر گز نہیں۔دلیل کیا ہے ؟﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾۔ تو شیخ صاحب فرماتے ہیں،اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ الصمد کا جو لفظ ہے یہ ایک جامع کلمہ ہے جامع لفظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمال شامل ہیں اور تمام نقص والی صفات کی نفی اس ایک لفظ میں ہو جاتی ہے اور وہ صفات ہیں جو مخلوقات میں پائی جاتی ہیں،اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں۔

﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ آخری جو چند جملے ہیں یہ تاکید ہے ایک لفظ صمد کے لفظ کی (سبحان اللہ)۔

اب دو جملے گزر چکے ہیں اثبات کے جو نفی ابھی بیان کی گئی ہے کیونکہ سورۃ الاخلاص بات کیا ہو رہی ہے ؟نفی اور اثبات کے بارے میں بات کر رہے تھے نا اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تعلق سے تو نفی اور اثبات جو ہے ہمیں سورۃ الاخلاص میں مل گئی ہے اور آگے ان شاء اللہ جو آیت الکرسی ہے سب سے عظیم آیت اس میں دیکھیں اگلا درس اس پر ہو گا ان شاء اللہ اس میں جو بہت عظیم پیغام ہیں انہیں بیان کریں گے کہ کہاں پر نفی کہاں پر اثبات ہے اور کس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اَحد کیا ہے ؟مثبت ہے (مثبت صفت ہے)۔﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ الصمد کیا ہے ؟مثبت ہے۔﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ یہ تمام کیا ہے ؟منفی ہے۔

یہ منفی مثبت کی بات کیوں بیان ہوئی ہے ؟انداز بیان کی خوبصورتی دیکھیں آپ شیخ صاحب فرماتے ہیں ''هذا تأكيد للصمدية والوحدانية'' یہ صمدیۃ وحدانیۃ کی تاکید ہو رہی ہے۔

جو واحد ہے اس کوئی دوسرا نہیں ہے کیا اولاد کا محتاج ہے ؟ کیا اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے ؟ کیا اس جیسا کوئی ہو سکتا ہے ؟ نہیں۔ تو پھر واحد کیسا ہے تو واحد تاکید ہے کہ نہیں ؟

جو لاپرواہ ہے جو صمد ہے جو تمام مخلوقات کا خالق اور مالک اور مشکل کشا حاجت روا ہے اور تمام مخلوقات اس کی محتاج ہیں تو کسی کو پیدا کرتا ہے کیا اس کو اولاد کی ضرورت ہے ؟ کیا اس کو کوئی پیدا کرنے والا ہو سکتا ہے ؟ کیا وہ کسی کا محتاج ہو سکتا ہے ؟ تو اس جیسا کوئی ہو سکتا ہے ؟ (سبحان اللہ)۔

تو اگلے جملے جو ہیں سارے یہ ان دونوں لفظوں کی تاکید ہے صمدیت کی اور وحدانیت کی، اور تاکید اس لیے ہے تاکہ اس سے پہلے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا کوئی نہیں ہے اور وہ کسی کا یعنی محتاج نہیں ہے اور پھر جب مثلیت کی بات آتی ہے اس میں ایک مثال دی ہے شیخ صاحب نے (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے) مجزز المدلجی جو ہے زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید ایک ساتھ لیٹے ہوئے تھے دونوں کے پاؤں کو دیکھ کر (قدموں کو دیکھ کر) کہتا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے ہیں (ان کے قدموں کو دیکھ کر بتایا کہ یعنی یہ دونوں باپ بیٹا ہیں جبکہ پتہ نہیں تھا کہ دونوں باپ بیٹا ہیں کہ نہیں تو وہ شخص یعنی یہ علم رکھتا تھا وہ جانتا تھا) تو شبہ سے (تشبیہ سے) پتہ چل گیا ہے۔

اور تمام کی نفی کر دی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حق میں ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾۔ تو اللہ تعالیٰ کی کمال اُحدیت اور کمال صمدیت یعنی ایک تو پتہ چل گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد بھی ہے صمد بھی ہے لیکن جب نفی کی بات آتی ہے تو پھر یہ کمال تک پہنچ جاتا ہے تو صفات کمال کو ثابت کرنے کے لیے نفی بھی اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔ نفی کس لیے ہے ؟ تاکہ جو صفت مثبتۃ ہے اس کے کمال کو ثابت کیا جائے یعنی صرف واحد، اُحد اور صرف صمد نہیں بلکہ کمال اُحدیت میں اور صمدیت میں۔

دیکھیں کمال کی بات کیوں آتی ہے ؟ تاکہ کسی کو شک وشبہ بھی باقی نہ رہے، اس کے باوجود بھی لوگوں نے (سبحان اللہ) تشبیہ سے کام لیا ہے انکار کیا اسماء وصفات کا اور (نعوذ باللہ) جو گمراہی کا راستہ ہے وہ اختیار کر گئے ہیں (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

کیونکہ جو والد ہے وہ اولاد کا محتاج ہوتا ہے تاکہ اس کی خدمت ہو اس کے لیے نان نفقے کی ضرورت پڑتی ہے یا مدد و اُعانت کی جب وہ عاجز ہو جاتا ہے تاکہ اس کی نسل باقی رہے تو یہ مخلوق میں ہے کیونکہ مخلوق محتاج ہے، اللہ تعالیٰ واحد صمد ہے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ ہے۔

﴿وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ (اور اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ ہی کوئی والد ہے کوئی باپ ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ "الأول الذي ليس قبله شيء" (اللہ تعالیٰ پہلا ہے اس سے پہلے کوئی بھی نہیں ہے) اور وہ خالق ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوقات ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی والد ہو یا کوئی خالق ہو (نعوذ باللہ)؟

جو انکار ہوا ہے ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ ابتداء ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ ہے (کسی کو جنا نہیں ہے)، ﴿وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ نہ کسی اور نے اسے جنا ہے۔

اور ابتداء ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ سے کیوں ہے ﴿وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ پہلے کیوں نہیں ہے؟ کیونکہ کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی والد ہے یا باپ ہے۔ دعویٰ کس چیز کا کیا ہے؟ بیٹے کا دعویٰ کیا ہے جیسے نصاریٰ نے کہا (نعوذ باللہ) کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے، یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے (علیہم الصلاۃ والسلام)۔ تو جس چیز کا یعنی زیادہ بڑا مسئلہ تھا اور جو نقص اور عیب بیان کیا گیا ہے جو غلط بیانی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی گئی ہے اور یہ کفریہ عقیدہ وجود میں آیا ہے تو سب سے پہلے اس کی نفی کی ہے۔ تو ترتیب دیکھیں کس طریقے سے ہے ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ پہلے ہے، ﴿وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ بعد میں ہے یعنی ہر لفظ اپنی جگہ پر ہے (سبحان اللہ)۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ﴾ (اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا) (المؤمنون: 91) چاہے نام ہی کا کیوں نہ ہو کیونکہ انسان بعض اوقات اگر بیٹا پیدا نہیں کر سکتے کوئی بانجھ ہوتا ہے تو کسی اور کے بیٹے کو نام دے دیتا ہے کسی اور کا بیٹا خود پال لیتا ہے (نام دے دیتا ہے) تو اللہ تعالیٰ نے سب کی نفی کر دی ہے ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ﴾ نہ تو لیا ہے اور نہ ہی خود پیدا کیا ہے۔ ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ میں کہ خود پیدا نہیں کیا "لم يتخذ ولداً" اور نہ ہی نام کے اعتبار سے ہی سہی کوئی بیٹا نہیں ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو یعنی جو اگر ذہن میں کسی کے کوئی بات آتی ہے کوئی شک وشبہ آتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کا جواب دے دیا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے حق میں۔

اور آخر میں ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ جب اللہ تعالیٰ جیسا کوئی نہیں ہے تو یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ ہی کوئی باپ ہے۔

کیونکہ مخلوقات کو دیکھیں (تمام مخلوقات کو دیکھیں) جب مخلوق ہے تو اس کا خالق ہے وہ کسی اور کی وجہ سے آیا ہے دنیا میں چاہے جس اعتبار سے بھی ہو (زندہ ہو تو اس کا باپ ہو بیٹا پھر اس طریقے سے تسلسل جاری رہتا ہے)۔ اگر کوئی جماد موجود ہے وہ بھی مخلوق ہے کسی نے اس کو پیدا کیا ہے وہ اپنے وجود کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اگر اللہ تعالیٰ اسے پیدا نہ کرتا تو معدوم (عدم) ہے اس کو وجود ہی نہیں ہے۔

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ کوئی کسی کے ذہن میں یہ بات بالکل یعنی ذرّہ برابر بھی باقی نہ رہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے جیسا ہو سکتا ہے کسی اعتبار سے بھی، اس کی نفی بھی کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں (صرف اُحدیت اور صمدیت کی حد تک نہیں) اللہ تعالیٰ کے جیسا کوئی بھی نہیں ہے "لا يكافئه أحد في جميع صفاته"۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں آخر میں کہ اس سورۃ میں جو ہے صفات ثبوتیۃ اور صفات سلبیۃ دونوں شامل ہیں۔ صفات ثبوتیۃ جو ہے ﴿اَللّٰهُ﴾ اس میں الوہیت کی صفت ہے، ﴿اَحَدٌ﴾ اس میں اُحدیت کی صفت ہے معنی اُحدیت کا ہے، ﴿الصَّمَدُ﴾ اس میں صمدیت کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ صفت ہے۔

جو سلبی صفات ہیں منفی صفات جو ہیں وہ ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾۔

تو تین مثبت ہیں اور تین منفی ہیں۔ اور جو نفی ہے وہ کیوں بیان کی جاتی ہے اثبات کے ساتھ؟ تاکہ "الإثبات كمال الأحدية والصمدية" (جو مثبت صفات ہیں ان کے کمال کو ثابت کرنا مراد ہوتا ہے)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اُحدیت اور صمدیت کمال کی ہے۔

اگلے درس میں ان شاءاللہ شیخ الاسلام (رحمہ اللہ) کے اس جملے پر بات کریں گے "وما وصف به نفسه في أعظم آية في كتاب الله"۔ "أعظم آية في كتاب الله" کون سی ہے؟ آیت الکرسی۔ یہ آیت الکرسی میں ان شاءاللہ جو اہم پیغام ہیں وہ بیان کریں گے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (22.العقیدۃالواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔